ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ ۶/ ۱ و ۲، جنوری - دسمبر ۱۹۹۱ء

قرآن معیارِ ہدایت

محمد سعود عالم قاسمی

جب سے انسان اس دنیا میں آیا ہے اُس وقت سے اب تک آسمانی ہدایت کا سلسلہ جاری ہے۔ ہدایتِ آسمانی کا وعدہ ازل ہی میں اللہ تعالیٰ نے کیا تھا اور اس ہدایت کی پیروی کا انسان سے عہد لیا تھا۔

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ (البقرة - ۳۸)

"جب تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جنھوں نے میری ہدایت کی پیروی کی اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔"

ابتدا میں انسان اس ہدایت کا پابند تھا۔ چنانچہ پہلا انسان روئے زمین پر اللہ کا پہلا نبی تھا۔ اس نبی کی آل و اولاد اسی ہدایت کی پیرو کار رہی، پھر شیطانی اور نفسانی گمراہیوں کا شکار ہو کر مختلف راستوں میں بھٹک گئی اور سررشتہ اتحاد کو چھوڑ کر مختلف گروہوں میں بٹ گئی۔ اس طرح اختلاف کا دائرہ وسیع ہو کر لوگوں کی فکری اور مذہبی گروہ بندیوں میں تبدیل ہو گیا۔ لیکن آسمانی ہدایت بدستور حالات اور مقامات کے اختلاف کے باوجود انسانوں کو مخاطب کرتی رہی، ان کو بھولا سبق یاد دلاتی رہی اور اسی نقطۂ اتحاد کی طرف بلاتی رہی۔ اس نقطۂ اتحاد پر لانے کے لیے انبیاء و رسل بھیجے گئے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ (البقرة - ۲۱۳)

"ابتدا میں سب لوگ ایک ہی اُمت تھے (پھر اختلاف رونما ہوا) تب اللہ نے نبی

بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلاف رونما ہو گئے تھے اُن کا فیصلہ کرے۔"

یہ وحدت عالم ہست و بود کی روح اور جان ہے جو وحدت انسان، وحدت الٰہ، وحدت کائنات، وحدت دین (نہ کہ وحدت ادیان) کی شکل میں اسلامی عقیدے کا معقول، متوازن اور لازمی عنصر ہے۔ قرآن وحدت انسان کے نظریہ کا اس دور میں پہلا داعی اور مبلغ ہے۔ اختلاف میں بٹ جانے کے بعد جن لوگوں نے آسمانی ہدایت کو قبول کیا اور بنی آدم کا ایک اکائی ہونا مان لیا وہ اس وحدت کے نمائندے بن گئے اور جن لوگوں نے اس معقول نظریہ کو ماننے سے انکار کیا وہ اس وحدت سے خود بخود الگ ہو گئے۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء:۹۲)

(یہ تمھاری اُمت حقیقت میں ایک ہی اُمت ہے اور میں تمھارا رب ہوں، پس تم میری عبادت کرو)۔

اسی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا:

"الکفر ملۃ واحدۃ والاسلام ملۃ واحدۃ" (کفر ایک ملت ہے اور اسلام ایک ملت) اس وحدت انسانی کی بنیاد وحدت الٰہ ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات: ۱۳)

(لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمھارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے)۔

قوموں اور گروہوں میں سر رشتۂ اتحاد خدا کی معرفت، خدا پر ایمان اور خدا سے خوف ہے۔ اس کائنات میں یک رنگی اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے، کائنات کے گوناگوں مظاہر اور نت نئے ظواہر میں ایک خاص قسم کی یکسانیت ہے، اختلاف کے اندرون میں ایک مخفی اتحاد موجزن ہے، اختلاف لیل و نہار

اختلاف موسم، اختلاف اوقات، اختلاف بحر و بر، اختلاف حیوانات، اختلاف صور و اوضاع، اختلاف نباتات، اختلاف جمادات کی تہہ میں اتر یے تو حیرتناک سر رشتہ اتحاد نظر آئے گا۔ کائنات کی ہر شئے کا دوسری شئے سے ربط و تعلق ہے، یہ ربط کہیں جلی اور کہیں خفی ہے، نہ کوئی شئے بے فائدہ ہے اور نہ کسی شئے میں کوئی نقص و بگاڑ ہے، بلکہ کائنات کی ہر شے اپنی جگہ شاہکار ہے، ربط و نظام اور وحدت کی پکار ہے۔

مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِن تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ (الملک ۳-۴)

(تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے، پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمھیں کوئی خلل نظر آتا ہے، بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمھاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی)

اس وحدت کی وجہ یہ ہے کہ خدائے وحدہٗ لاشریک نے اس کائنات کو وجود عطا کیا ہے، وہی اس کے انتظام و اہتمام کا سزاوار ہے، اُسی کے دستِ قدرت میں اس کی زمامِ اقتدار ہے اور یہ کائنات اس کے وجود کا حصہ نہ ہو کر بھی جلوۂ صد رنگ ہے۔

اگر دو یا چند خدا اس میں شریک ہوتے تو لازماً یہ ربط و نظم ختم ہو جاتا، حسنِ ترتیب بگڑ جاتا اور فساد برپا ہو جاتا۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء-۲۱)

(اگر آسمان و زمین میں ایک اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو زمین اور آسمان کا نظام بگڑ جاتا)۔

چنانچہ کائنات کی ہر شئے نظم و ربط کے ساتھ وحدت الٰہ کی بھی پکار ہے۔

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَن تُنبِتُوا شَجَرَهَا ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ ۝ أَمَّن جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (النمل - ۶۰ - ۶۱)

(بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمھارے لیے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے وہ خوش نما باغ اگائے جن کا اگانا تمھارے بس میں نہ تھا، کیا اللہ کے سوا دوسرا خدا بھی ہے؟ (نہیں) بلکہ یہی لوگ راہِ راست سے ہٹ کر چلے جا رہے ہیں۔ اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے اندر دریا رواں کیے اور اس میں (پہاڑ) میخیں گاڑ دیں اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پردے حائل کر دیے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ (نہیں) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں)۔

ان تمام سوالوں کا جواب اسی وقت ممکن ہے جب کہ انسان خدا کو اکیلا اور تنہا تسلیم کرے اور ظاہر ہے کہ جب خدا ایک ہے تو اس کی رضا تک پہنچنے والا راستہ بھی لازماً ایک ہوگا، اس کا ایک ہی پیغام ہوگا، ایک ہی مطالبہ ہوگا اور ایک مقصد کی طرف بلائے گا۔ یہ پیغام، یہ مقصد، یہ مطالبہ ہر دور میں اللہ کے منتخب بندوں کے ذریعہ انسان کے سامنے پیش ہوتا رہا اور اسی کا نام اسلام ہے۔

زمین پر آباد ہونے کی ابتدائی منزلوں میں انسان لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا، ابلاغ و ترسیل کا سلسلہ نظام اشارات اور زبان کی گویائی پر منحصر تھا، اس لیے اس زمانہ میں آسمانی ہدایت بھی لسانِ نبوت پر طاری ہو کر انسانوں کی رہنمائی کا ذریعہ بنتی تھی۔ چنانچہ آدمؑ و نوحؑ جیسے انبیاء کی دعوت تمام تر زبانی تبلیغ پر مشتمل تھی اور ان کے پاس کوئی آسمانی نوشتہ نہ تھا۔ مگر جب انسان لکھنے اور پڑھنے کے فن سے واقف ہو گیا اور دلی مراد کے اظہار کے لیے قلم کا سہارا لینے لگا تو آسمانی ہدایت بھی تحریری شکل میں آنے لگی۔ چنانچہ اب تک تاریخی ریکارڈ کے مطابق انسان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد تک لکھنے پڑھنے کے فن سے آگاہ ہو چکا تھا اس لیے سب سے پہلا آسمانی نوشتہ حضرت ابراہیمؑ پر نازل ہوا جسے قرآن اولین صحیفوں میں شمار کرتا ہے۔

إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ (الاعلیٰ ۱۸۔۱۹)

(یہی بات پہلے آئے ہوئے صحیفوں میں بھی کہی گئی تھی، ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں)

پھر آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک متعدد صحیفے نازل ہوئے، قرآن، توریت، زبور، انجیل کا نہ صرف اعتراف کرتا ہے بلکہ بار بار ان کا تذکرہ کرتا ہے اور ان کے مشتملات سے بحث کرتا ہے، چونکہ

یہ ساری کتابیں اللہ کی نازل کردہ ہیں اور انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ ہیں، اس لیے قرآن ان کی واجبی حیثیت کے ایقان کا شعور بھی پیدا کرتا ہے۔ ان کتابوں سے متعلق قرآن کریم کا رویہ حسب ذیل چار نکات پر مشتمل ہے۔

(۱) **تصدیق**: قرآن سب سے پہلے ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور ان کے منزل من اللہ ہونے کی حیثیت کا اعتراف کرتا ہے، ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ ھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ (فاطر۔۳۱)

(جو کتاب ہم نے تمہاری طرف وحی کے ذریعہ بھیجی ہے وہی حق ہے، تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے آئی تھیں)۔

(۲) **تنقید**: چونکہ ان کتابوں کے ماننے والوں نے ان میں تحریف و ترمیم کی اور اپنے خیالات و مفادات کے مطابق ان کو حزود برد کا نشانہ بنایا۔ اس لیے قرآن ان کتابوں میں کی گئی انسانی حرکات پر تنقید کرتا ہے، ارشاد ہے:

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتَابَ بِاَیْدِیْھِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ لِیَشْتَرُوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا (البقرہ ۷۹)

(ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں، پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تاکہ ان کے معاوضہ میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کریں)۔

یَا اَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتَابِ (المائدہ۔۱۵)

(اے اہل کتاب ہمارا رسول تمہارے پاس آگیا ہے جو کتاب الٰہی کی بہت سی ان باتوں کو تمہارے سامنے کھول رہا ہے جن کو تم چھپاتے تھے)

وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْہُ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ۔۷۵)

(ان میں سے ایک گروہ کا شیوہ یہ رہا ہے کہ اللہ کا کلام سنتے اور پھر خوب سمجھ بوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کر دیتے)

۳۔ تنسیخ: یہ کتابیں ایک خاص دور اور مخصوص قوم یا اقوام کی رہنمائی کے لیے نازل کی گئی تھیں، اس لیے ان کی تشریعی حیثیت محدود اور موقت تھی، قرآن چونکہ ہر قوم اور ہر زمانہ کے لیے نازل ہوا ہے اور اس کے بعد سابقہ کتابوں کی ضرورت نہ رہی اس لیے ان کتابوں کو قرآن منسوخ کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ (آل عمران۔۴)

(اور اسی نے توریت اور انجیل نازل کی اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے)

۴۔ تکمیل: پچھلی آسمانی کتابیں محدود زمانہ اور قوم کو مخاطب کرنے کے لیے اتاری گئی تھیں اس لیے ان میں ہدایت اور شریعت کا مواد بھی اسی کے مطابق عطا کیا گیا تھا۔ قرآن کریم ان کتابوں کی اصلی اور جوہری تعلیمات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہر زمانہ اور ہر قوم کو مخاطب کرنے کے لیے ابدی شریعت کا تفصیلی و تکمیلی فریضہ انجام دیتا ہے۔ قرآن ان کتابوں کی تعلیم ہدایت و سعادت کا واحد امین ہے اور ان کی معرفت کا واحد معتبر ذریعہ بھی۔ گویا قرآن آسمانی کتابوں کا تکمیلی ایڈیشن ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ القرآن امین علی کل کتاب قبلہ۔[۵] ارشاد باری ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ۔۳)

(آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے)

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (المائدہ:۴۸)

(پھر اے نبیؐ تمھاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے سامنے موجود ہے اسکی تصدیق کرتی ہے اور اس کی محافظ و نگران ہے)

ان کتابوں کے علاوہ کچھ اور کئی مذہبی کتابیں ہیں جن کو ان کو ماننے والے الہامی کتاب قرار دیتے

ہیں۔ مثلاً ہندوستان میں ویدوں کا مقام، زرتشتیوں میں اوستا اور بالخصوص گاستھا کا مقام نہایت اہم اور مقدس ہے۔ مگر چونکہ قرآن میں ان کتابوں کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور نہ کسی قسم کا کوئی اشارہ ملتا ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ یہ آسمانی کتابیں ہیں البتہ اجمالاً اتنا کہا گیا۔ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ (الشعراء۔۱۹۶) (اور یہ تعلیم اگلے لوگوں کی کتابوں میں بھی موجود ہے) اس لیے ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ یہ اللہ کی نازل کردہ ہیں یا نہیں۔ قرآن کے اعتراف کے مطابق ہر قوم میں اللہ کا پیغامبر آیا ہے: وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر۔۲۴) (اور کوئی امت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔

اس اعتراف اور اعلان کی رُو سے کوئی مستبعد نہیں کہ ان قوموں میں صحیفے بھی نازل کیے گئے ہوں اس لیے ہندوستان، ایران اور چین میں بھی آسمانی کتابوں کا نازل ہونا خارج از امکان نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کتابیں جن کو اہلِ مذاہب آسمانی کہتے ہیں اصلاً آسمانی ہی رہی ہوں، بعد میں توریت و انجیل کی طرح تحریف و ترمیم کا شکار ہو کر ان کی تعلیمات مشرکانہ رنگ و آہنگ اختیار کر گئی ہوں بالخصوص اس صورت حال میں جب کہ ان کتابوں پر بعض اہلِ علم کی تحقیق کے مطابق نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشین گوئیاں ملتی ہیں۔ ان کے آسمانی ہونے کا امکان اور قوی ہو جاتا ہے، تاہم قرآن و حدیث میں ان کا تذکرہ نہ ہونے کی بنا پر توریت، زبور اور انجیل کی طرح حتمی طور پر ہم ان کو آسمانی صحیفہ ہدایت نہیں سمجھتے۔

مذکورہ آسمانی کتابوں کے بارے میں جب قرآن کا اعتراف ہے کہ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا (آل عمران۔۷) (سب ہمارے رب کی طرف سے ہے) تو ان تمام کتابوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، چنانچہ ایک مسلمان کے لیے نہ صرف یہ کافی ہے کہ وہ قرآن کریم پر ایمان لائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سابقہ آسمانی کتابوں کے الہامی ہونے پر فی الجملہ ایمان لائے بلکہ قرآن پر ایمان لانا بجائے خود ان کتابوں کی الہامی حیثیت پر یقین کرنا ہے۔ چنانچہ ان کتابوں کے نازل کرنے والے کا اپنے بندوں سے مطالبہ یہ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (النساء۔ ۱۳۶)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے

رسول پر نازل کی ہے اور ہر اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اس سے پہلے نازل کر چکا ہے)
دوسری طرف یہی مطالبہ سابقہ آسمانی کتابوں کے حاملین سے بھی کیا گیا ہے کہ یہ سب کتابیں جب ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں تو بلا امتیاز ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے بعض پر ایمان لانا اور بعض کا انکار کرنا درحقیقت ان تمام کتابوں کا انکار کرنا ہے۔ ارشاد ہے:

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم (النساء ۴۷)

(اے لوگو جنھیں کتاب دی گئی تھی ایمان لاؤ اس کتاب پر جو ہم نے اب نازل کی ہے جو اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو کہ تمھارے پاس پہلے سے موجود تھی)۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسلامی ہدایت کا تسلسل حضرت آدمؑ سے نبی خاتمؑ تک کبھی منقطع نہیں ہوا اور یہ آسمانی کتابیں اسی تسلسل کی علامت اور شہادت ہیں اور اسلام اس تسلسل پر یقین رکھنے کو جزو ایمان قرار دیتا ہے:

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ (البقرہ ۲۸۵)

(رسولؐ اس پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور مومنین بھی اس پر ایمان لائے ہیں، اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ "ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے۔")

قرآن جس دین کو پیش کرتا ہے، وہ کوئی نیا دین نہیں نئی شریعت ضرور ہے، قرآن اسی دین کی تکمیل و تبلیغ کرتا ہے جس کے لیے آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ وغیرہ جیسے انبیاء مبعوث کیے گئے تھے۔

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (الشوریٰ ۱۳)

(اس نے تمھارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جسے (محمدؐ) اب تمھاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ)۔

اس وقت قرآن واحد صحیفہ ہے جو آسمانی ہدایت کے تسلسل اور اس روایت کے تقدس کا امین ہے، اس کا محافظ اور نقیب ہے۔ جب کہ دوسری کتابیں اس ہدایت کے تسلسل اور اس کے نقطۂ عروج میں خلا اور انقطاع کو قبول کیے ہوئی ہیں۔ یہود آدم سے لے کر صرف توریت اور اس کے حامل موسیٰؑ تک ہدایتِ الٰہی کا سلسلہ تسلیم کرتے ہیں اور اسی پر ختم کر دیتے ہیں اور عیسائی انجیل اور اس کے حامل عیسیٰؑ پر اس ہدایت کو ختم کر دیتے ہیں۔ حالانکہ سلسلہ ہدایت کا اختتام اور نقطۂ عروج قرآن اور حاملِ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو جس طرح محض خدا کا ماننا مسلمان ہونے کے لیے کافی نہیں بلکہ ایک ہی خدا کا ماننا ضروری ہے۔ اسی طرح محض رسالت کا اقرار بھی کافی نہیں بلکہ سلسلۂ رسالت اور ختمِ رسالت کا اقرار بھی ضروری ہے۔

قرآنِ کریم کا نزول

قرآنِ کریم کے نزول سے متعلق متکلمین ومفسرین کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ رمضان کے مہینے میں لوحِ محفوظ سے ایک ہی مرتبہ پورا قرآن سماءِ دنیا پر نازل ہوا اور وہاں سے تھوڑا تھوڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ مگر کسی صحیح حدیث میں اس کی صراحت نہیں ملتی۔ محدثین ومفسرین کا دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اگرچہ تھوڑا تھوڑا ہی نازل ہوا مگر آغازِ نزول رمضان کے مہینہ میں ہوا۔ یہی مطلب ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (البقرہ ۱۸۴) چنانچہ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ ۱۷ رمضان المبارک کو آپؐ منصبِ نبوت پر فائز ہوئے۔ وانتت علیہ اربعون فاشرقت شمس النبوۃ منہ فی رمضان۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی[۳۲] نے اس قول کی تائید وتصدیق کی ہے کیونکہ رمضان کے مہینہ میں آپؐ غارِ حرا میں اعتکاف فرماتے تھے۔

واثلہ بن اسقع کی روایت سے بھی اس کی توثیق ہوتی ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے رمضان کی پہلی تاریخ میں نازل ہوئے۔ توراۃ رمضان کی چھ تاریخ میں، انجیل ۱۷ رمضان میں اور قرآن ۲۴ رمضان میں نازل ہوا۔[۳۳]

رمضان کی تعیین کے علاوہ قرآن اپنے نزول کے سلسلہ میں یہ بھی اعلان کرتا ہے۔ حٰمٓ ۰ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ ۰ إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ (الدخان ۱-۳)

إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ (القدر) یعنی بابرکت اور قدر ومنزلت والی رات میں قرآن نازل کیا گیا۔ حضرت حسن بصریؒ کا خیال اسی لیے شب قدر کے بارے میں ہے کہ وہ چوبیس[۲] کی رات ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ قدر کی رات کوئی بھی متعین کی جائے، قرآن کی صراحت کے بموجب قدر کی مبارک رات میں ہی قرآن کے نزول کا آغاز ہوا۔

قرآن پر ایمان لانے والوں کی تین قسمیں

قرآن پر ایمان لانے والوں کی ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، اس کے معانی کو سمجھتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو ایمان تو رکھتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔ یہ لوگ مجرم ہیں باغی نہیں۔ تیسرے لوگ وہ ہیں جو ان دونوں کے درمیان ہیں یعنی کبھی قرآن پڑھتے ہیں کبھی نہیں پڑھتے، کبھی اس پر عمل کرتے ہیں اور کبھی خواہشات نفسانی کے اسیر ہو جاتے ہیں۔ یعنی فرماں بردار بھی ہیں اور خطا کار بھی۔ قرآن کریم ان تینوں گروہوں کو بالترتیب بھلائی میں سبقت کرنے والے، اپنے نفس پر ظلم کرنے والے اور ان دونوں کے درمیان رہنے والے قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ (فاطر-۳۲)

(پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنا دیا ان لوگوں کو جنھیں ہم نے اس وراثت کے لیے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ اب کوئی تو ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی بیچ کی راس ہے اور کوئی اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے، یہی بہت بڑا فضل ہے)

امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ سَابِقُوْنَ بِالْخَیْرَاتِ میں وہ لوگ آتے ہیں جو فرائض کے ساتھ نوافل و مستحبات کا بھی التزام کرتے ہیں۔ واجبات کے ساتھ تقرب بالحسنات میں سبقت کرتے ہیں اور ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ میں وہ لوگ آتے ہیں جو واجبات و فرائض کو ترک کرتے ہیں، محرمات کا ارتکاب کرتے ہیں اور اپنے گناہوں پر مُصر ہیں۔ اور مقتصد میں وہ لوگ آتے ہیں جو فرائض پر عمل کرتے ہیں، محرمات سے بچتے ہیں۔[۴]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بروایت حضرت ابوموسیٰ قرآن سے وابستگی رکھنے والے اور اس کے چھوڑنے والے مختلف گروہوں کی مثال اس طرح بیان فرمائی ہیں:

المومن الذی یقرء القرآن ویعمل بہ کالاترجۃ طعمھا طیب وریحھا طیب والمومن الذی لا یقرء القرآن ویعمل بہ کالتمرۃ طعمھا طیب ولاریح لھا ومثل المنافق الذی یقرء القرآن کالریحانۃ ریحھا طیب وطعمھا مر ومثل المنافق الذی لا یقرء القرآن کالحنظلۃ طعمھا مر وریحھا مر[۵]

(اس مومن) کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اترجہ کی سی ہے جس کا ذائقہ بھی عمدہ اور خوشبو بھی عمدہ ہے، اور اس مومن کی مثال جو قرآن کے احکام پر تو عمل کرتا ہے مگر پڑھتا نہیں کھجور کی سی ہے جس میں خوشبو نہیں ہے مگر ذائقہ عمدہ ہے۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن کو پڑھتا ہے ریحانہ کی سی ہے جس کی خوشبو عمدہ ہے مگر ذائقہ کڑوا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا ایلوے کی سی ہے جس کا ذائقہ بھی کڑوا ہے اور بو بھی کڑوی ہے)۔

حاملینِ قرآن کا مقام دنیا اور آخرت میں

قرآن جتنی عظیم اور مقدس کتاب ہے حاملینِ قرآن بھی اس کی نسبت سے عظیم اور مقدس ہیں۔

اور عزت و احترام کے بلند مقام کے مستحق ہیں یہاں تک کہ امامت اور امارت کے اعلیٰ ترین مناصب کے بھی دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ حق دار ہیں۔ بروایت حضرت ابو ہریرہؓ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وفد بھیجا تو اس وفد کے ہر فرد سے قرآن پڑھوایا، پھر ان میں سے سب سے کم عمر صحابیؓ سے پوچھا تم کو قرآن کتنا یاد ہے؟ انھوں نے کہا فلاں فلاں سورتیں اور سورۃ البقرۃ، آپؐ نے پوچھا کیا سورۃ البقرۃ بھی یاد ہے؟ انھوں نے کہا ہاں، تو آپؐ نے فرمایا، تم ہی اس وفد کے امیر ہوگے، پھر ان میں سے حسب ونسب والے ایک صحابیؓ نے کہا، بخدا میں سورۃ البقرۃ کی تعلیم حاصل کرنے سے اس لیے رُک گیا کہ مجھے ڈر تھا کہ میں اسے قیام لیل کا ذریعہ نہیں بنا سکتا تو آپؐ نے فرمایا، قرآن کا علم حاصل کرو اور اسے پڑھو کیونکہ قرآن کی مثال اس شخص کے لیے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور اسے پڑھتا ہے اور قیام لیل کا ذریعہ **بناتا** ہے ایسی ہے جیسے ایک مشکیزہ جو مشک سے بھرا ہوا ہے اور اس کی خوشبو ہر جگہ پھیل رہی ہے اور اس شخص کی مثال جو اسے پڑھتا ہے اور سینے میں رکھ کر سو جاتا ہے اس مشکیزہ کی ہے جس سے مشک کو ڈھانپ دیا جاتا ہے[٦]۔ اور حضرت عثمان غنیؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف ایک وفد بھیجا اور اس کا امیر وفد کے سب سے چھوٹے صحابی کو بنایا، کچھ دن گذر گئے اور یہ وفد نہیں نکلا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وفد کے ایک فرد سے ملاقات ہوئی، تو آپؐ نے پوچھا ابھی تک کیوں نہیں گئے؟ انھوں نے کہا اللہ کے رسولؐ ہمارے امیر کے پاؤں میں تکلیف ہے آپؐ ان کے پاس گئے اور یہ پڑھ کر سات مرتبہ پھونکا بسم اللہ وباللہ اعوذ باللہ وقدرتہ من شر ما فیہا۔ اس سے وہ صحابیؓ اچھے ہوگئے۔ آپؐ سے ایک بڑی عمر کے صحابیؓ نے کہا کہ آپؐ نے اسے ہمارا امیر بنایا جب کہ وہ ہم سب میں چھوٹا ہے تو آپؐ نے اس کی وجہ اس کی قرأت قرآن بتائی۔ اس پر انھوں نے کہا اللہ کے رسولؐ اگر مجھے سو جانے اور قرآن سے غافل رہنے کا خوف نہ ہوتا تو میں ضرور اس کی تعلیم حاصل کرتا، تو آپؐ نے فرمایا، قرآن کی مثال اس مشکیزہ کی سی ہے جس میں مشک بھرا ہوا ہے جو ہر سو پھیل رہا ہے، اسی طرح قرآن کو جب تم پڑھتے ہو اور وہ تمھارے سینے میں ہوتا ہے تو مشک کی طرح ہوتا ہے۔

آخرت میں بھی حاملِ قرآن کا درجہ سب سے بلند ہوگا۔ حاملینِ قرآن سے کہا جائے گا کہ آیتیں پڑھتا

جا اور اسی کے مطابق عزت و بلندی اور ترقی کے درجات طے کرتا جا۔

یقال لصاحب القرآن اقرأ وارتق ورتل کما کنت ترتل فی الدنیا۔ فان منزلتک عند آخر آیۃ تقرا بھا ۲۸

قرآن مجید کے امتیازات

قرآن مجید کی چند اہم اور نمایاں خصوصیات اور امتیازات ہیں۔ ایک امتیاز یہ ہے کہ وہ دائمی اور آفاقی ہے اس لیے تحریف و ترمیم سے پاک ہے اور اللہ نے اس کی حفاظت کی ضمانت لی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر ۸)

ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

قرآن اپنا تعارف "ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ" کی جامع تعبیر سے کراتا ہے۔ قرآن اسی طرح اپنی آفاقی اور دائمی حیثیت کو پیش کرتا ہے۔

جس طرح وہ اسلام کی ۔ کافۃ للناس

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ۔ رحمۃ للناس

امت مسلمہ کی ۔ اخرجت للناس

والی حیثیت کو ابھار کر پیش کرتا ہے یعنی وہ کسی قوم یا نسل یا طبقہ کے لیے نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔

قرآن کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ وہ انسانی امراض کے لیے نسخہ کیمیا ہے، یہ امراض خواہ روحانی ہوں یا اخلاقی اور یا جسمانی۔ قرآن ان تمام امراض کے لیے شفا ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (بنی اسرائیل۔ ۸۲) اور ہم قرآن کے ذریعے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔

قرآن اصلاً روحانی اور اخلاقی امراض ہی کے ازالہ کے لیے نازل ہوا ہے۔ جسمانی امراض کا علاج ضمناً یا التزاماً ہے۔ قرآن کے حروف الفاظ و معانی میں شفا مضمر ہے۔ روحانی امراض ہیں شرک، نفاق، تشکیک، ریا، اعتقادی کمزوری، بے عملی اور فکری آلودگی اخلاقی امراض میں جنسی بے راہ روی، بے حیائی، غیبت

بدخلقی، کینہ اور حسد، کبر وغرور، تعصب و تحزّب وغیرہ کا موثر علاج ہے۔

تیسرا امتیاز یہ ہے کہ قرآن میزانِ عمل، میزانِ عدل اور میزانِ حیات ہے۔ اسی میزان پر انسانوں کا قیام مطلوب ہے، اسی میزان کے مطابق زندگی گذارنے کا حکم ہے۔ باہمی معاملات اور تعلقات میں بھی یہ میزان ضروری ہے۔ قیامت کے دن اسی میزان پر لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے اور یہی میزان احتساب ہوگا۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ وَ الۡمِیۡزَانَ (شوریٰ ۱۷)

وہ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ یہ کتاب اور میزان نازل کی ہے)

یہاں کتاب سے مراد قرآن ہے اور میزان اس کا بیان ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

القرآن حجۃ لک او علیک[۸] قرآن یا تو تمھارے لیے حجت ہے یا تمھارے خلاف حجت ہے۔ یہی قرآن ہمارے عروج وزوال اور ترقی وتنزل کا بھی میزان ہے۔ ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً ویضع بھا آخرین[۹] اللہ اس قرآن کے ذریعہ کچھ قوموں کو بلندی عطا کرتا ہے جب کہ دوسری قوموں کو پستی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

چوتھی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ قرآن ضابطۂ حیات ہے اور دستورِ زندگی ہے۔ زندگی کی مشکلات کا حل ہے انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور انسان کی ہمہ جہت رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن اسے تبیانا لکل شئی سے تعبیر کرتا ہے۔ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ وَّ ہُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُسۡلِمِیۡنَ (النحل ۸۹) اور ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے جو ہر چیز کی وضاحت کرنے والی ہے اور مسلمانوں کے لیے رحمت اور بشارت ہے۔

زندگی کے حقائق وجوانب پر قرآن تفصیل سے بحث کرتا ہے، کہیں اجمالی تبصرہ کرتا ہے اور کہیں اشارات کر دیتا ہے۔ مگر وہ کسی بھی شعبۂ حیات کو اس طرح آزاد نہیں چھوڑتا کہ اس میں انسان کو قرآن سے کوئی رہنمائی یا مدد نہ ملتی ہو۔ مثال کے طور پر نشر واشاعت اور ذرائع ابلاغ ہی کو لیجیے اجتماعی زندگی کے بہت سے مسائل اور دشواریاں غلط خبریں ملنے اور غلط فہمیوں کے پیدا ہونے سے وجود پاتی ہیں۔ ہمار

زمانے میں انسانی ذہن کو بنانے اور بگاڑنے میں ذرائع ابلاغ کا نمایاں کردار ہے اور بالخصوص صحافت (جرنل ازم) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مگر آج صحافت کا خبر لینے اور خبر دینے میں جو رجحان ہے وہ تحقیق سے زیادہ استعجاب پر مبنی ہے۔ قرآن صحافت کی کتاب ہرگز نہیں مگر اس نے جو ہدایات دی ہیں وہ ذرائع ابلاغ اور وسائل نشر و اشاعت کے استعمال کے سلسلہ میں رہنما اصول کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مثلاً حسبِ ذیل دو آیات کا مطالعہ کیجیے:

اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (النساء ۸۳)

(اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اُسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر اس کو رسول اور اپنے سربراہوں کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے)۔

اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ (الحجرات ۶)

(اگر کوئی مجہول الحال تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو)

پہلی آیت میں خبروں کو پھیلانے سے پہلے اُن کی حقیقت، صورت، ان کے نتائج اور مضمرات پر غور کرنے کے لیے ان کو صاحب معاملہ اور ذمہ دار لوگوں تک پہنچانے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ دوسری آیت میں ہر جھوٹی سچی خبر کو سننے، قبول کرنے اور اس کے مطابق رائے قائم کرنے کے سلسلہ میں احتیاط ملحوظ رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ایسی خبر جس کا تعلق اجتماعی نفع و نقصان سے ہو اس کی تحقیق و تصدیق ضروری ہے ورنہ یہ ہو سکتا ہے کہ غلط خبر کی بنیاد پر کوئی ایسا اقدام ہو جائے جو ندامت اور پشیمانی پر منتہی ہو۔ تحقیق کبھی تو خبر کی ہوتی ہے اور کبھی خبر لانے والے کی اور کبھی دونوں کی، یہ حالات اور ماحول کے اقتضا پر منحصر ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سنی سنائی بات کو بلا تحقیق بیان کرنے والے کو جھوٹا قرار دیا ہے، آپؐ نے فرمایا: کفی بالمرء کذبا ان یحدث

بکل ما سمع۔ انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے۔

قرآن کا پانچواں امتیاز یہ ہے کہ وہ علم اور عبادت کا مجموعہ ہے۔ قرآن ذکر بھی ہے اور فکر بھی۔ اس کے برخلاف کوئی چیز علم اور عبادت کی جامع نہیں۔ مثلاً صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ، حج، ذکر اور جہاد یہ سب عبادت تو ہیں مگر علم نہیں۔ مگر قرآن عبادت بھی ہے اور علم بھی۔ عبادت ایسی کہ بروز قیامت قرآن پڑھنے والوں کے لیے ذریعہ شفاعت ہوگی اور علم ایسا کہ اس سے زیادہ معتبر یقینی اور بابرکت کوئی دوسرا علم نہیں۔ اسی لیے قرآن کو دوسری جملہ عبادات کے مقابلہ میں یک گونہ فضیلت حاصل ہے۔ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے تو صحابہ کرامؓ کے دو حلقے بنے ہوئے تھے ایک حلقہ ذکر میں مشغول تھا اور دوسرا قرآن کے مذاکرہ میں، آپ نے پہلے حلقے کی بھی تعریف کی مگر خود دوسرے حلقے میں جاکر بیٹھ گئے اور فرمایا بعثت معلما ۔ میں معلم بناکر بھیجا گیا ہوں، اسی لیے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے جب یہ پوچھا گیا کہ آپ اذکار و نوافل کا زیادہ اہتمام نہیں کرتے تو انھوں نے فرمایا میں قرآن میں مشغول رہنے کو اذکار و نوافل سے بہتر سمجھتا ہوں۔

قرآن کو یاد کرنا آسان ہے :

قرآن کی ایک خوبی یہ ہے کہ اسے یاد کرنا نہایت آسان ہے، چنانچہ ایک معصوم بچہ بھی چند سالوں میں اسے یاد کرلیتا ہے اور یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ دنیا کی کسی کتاب کو یاد کرنا اتنا آسان نہیں جتنا کہ قرآن کا یاد کرنا آسان ہے۔ شاید آج کوئی مذہبی کتاب ایسی نہیں جسے چند آدمی از اول تا آخر زبانی سنا دیں۔ نہ عہد نامہ عتیق اور نہ عہد نامہ جدید، نہ وید اور نہ گرو گرنتھ۔ مگر یہ قرآن ہے جس کے حفاظ کروڑوں کی تعداد میں روئے زمین پر پائے جاتے ہیں۔ جب کوئی انسان قرآن کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو قرآن کو سہل الحصول پاتا ہے۔ مگر جب وہ قرآن سے بے توجہی برتتا ہے تو قرآن بھی اس سے اپنا فیض منقطع کرلیتا ہے اس لیے قرآن کو یاد کرنے کے ساتھ اس کی حفاظت اور مداومت ضروری ہے۔ چنانچہ بروایت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تعاهدوا القرآن فوالذی نفسی بیدہ لهو اشد تفصیا من الابل فی عقلها"

(قرآن کی نگرانی کرتے رہو (یاد کرتے رہو) کیونکہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے قرآن بندھے ہوئے اونٹ سے زیادہ تیزی سے نکل جاتا ہے)

قرآن سدا بہار ہے

قرآنِ کریم کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ اس کے معارف لامتناہی اور اس کے عجائبات لامحدود ہیں جن کا احاطہ کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ قرآن چونکہ اللہ رب العزت کا کلام ہے اور اللہ کا علم تمام موجودات وممکنات وغیرہ کو محیط ہے، اس لیے اس کے کلام میں اس کی تہ داری پائی جاتی ہے۔ کوئی شخص زندگی بھر قرآن کی تلاوت اور اس میں غور وفکر کرتا رہے کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اب وہ قرآن کے معانی ومفاہیم کی تہوں تک پہنچ گیا۔ بلکہ جب جب وہ کلامِ الٰہی کو پڑھے گا ہر مرتبہ اُسے ایک نئی بات معلوم ہوگی۔ نیا پن اُسے محسوس ہوگا اور نئی لذت اُسے نصیب ہوگی۔ قرآن گویا ایک سدا بہار درخت ہے اس پر کبھی خزاں نہیں آتی کبھی اس کی شادابی وتازگی ختم نہیں ہوتی، کبھی اس کا فیض ختم نہیں ہوتا بلکہ ہر لحہ اس میں نمو اور بالیدگی محسوس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنے کلام کی مثال اس پاکیزہ درخت سے دی ہے جس کی جڑیں زمین کی تہوں میں پیوست ہیں اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں اور ہر لمحہ وہ انسانوں کے لیے فیض رساں ہے۔ ارشاد ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا
ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا
كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ○

(ابراہیم ۲۵-۲۴)

(کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک پاکیزہ درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں، ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔ یہ مثالیں اللہ اس لیے دیتا ہے کہ لوگ اُس سے سبق لیں۔

قرآن قائد اور امام ہے

قرآن بنی نوع انسان کا رہنما امام اور قائد بھی ہے جو لوگ قرآن کی رہنمائی اور قیادت کو تسلیم کر کے اس کا اتباع کرتے ہیں قرآن ان کی جنت تک رہنمائی کرتا ہے اور جو لوگ اس کی رہنمائی اور امامت تسلیم نہیں کرتے قرآن ان کی بھی رہنمائی کرتا ہے مگر جنت کے بجائے جہنم تک لے جاتا ہے جیسا کہ بروایت حضرت جابرؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"القرآن شافع مشفع وماحل مصدق من جعله امامه قاده الی الجنة ومن جعله خلف ظهره ساقه الی النار"[12]

(قرآن پاک ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت مقبول ہے اور ایسا مجادل ہے جس کا مجادلہ مسلم ہے، جو شخص قرآن کو اپنے آگے رکھتا ہے قرآن اسے جنت تک لے جاتا ہے اور جو اسے پس پشت ڈال دیتا ہے قرآن اُسے جہنم میں گرا دیتا ہے)

قرآن مجید کی دو سطحیں :

قرآن کریم کی دو سطحیں یا دو نہج ہیں۔ ایک عمومی سطح ہے جو ہدایت سے متعلق ہے۔ یعنی قرآن ہدایت کے معاملہ میں عام ہے، اس کا فیضان عالم و جاہل، عقلمند و کم عقل، شہری و دیہاتی سب کے لیے یکساں ہے جو بھی ہدایت کا طلبگار ہے قرآن اس کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (البقرہ ۱۸۵)

(رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی ہے اور حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے)۔

اس لحاظ سے قرآن ایک بالکل آسان کتاب ہے اس میں کسی طرح کی کوئی دشواری نہیں، اللہ تعالیٰ

کے حکم کے بموجب وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَہَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ (القمر ۱۷) اور ہم نے اس کتاب کو نصیحت کے لیے آسان بنادیا ہے، پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا) وہ سہل ہے۔

قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے کسی درسگاہ سے سند لیاقت حاصل کرنا ضروری نہیں مگر قرآن کی ایک دوسری سطح ہے جو خصوصی ہے وہ علم معرفت سے تعلق رکھتی ہے وہ اتنی آسان نہیں کہ ہر کسی پر منکشف ہوجائے۔ بلکہ محنت، تفقہ، تدبر اور قرآن سے غیر معمولی شغف اور وابستگی کا مطالبہ کرتی ہے۔ قرآن کی علمی سطح تہہ در تہہ ہے۔ قرآن میں انسان جتنا غور کرے گا اس کے معانی اور مفاہیم کی گہرائی اور جہات اسی قدر اس پر واضح ہوتی چلی جائیں گی اور ظاہر ہے کہ یہ انسان سے علم وفکر کی درستگی کے ساتھ مسلسل غور وفکر کا مطالبہ کرتی ہے۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (العنکبوت ۴۹)

(بلکہ وہ کھلی ہوئی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے دلوں میں جنھیں علم بخشا گیا ہے)

قرآن کے معارف کا انکشاف انسان کی شعوری سطح اور آگہی کے تناسب سے ہوتا ہے انسان کا علم جتنا وسیع اور جامع ہوگا قرآن اسی کے مطابق اس پر خود کو منکشف کرتا رہے گا۔

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (السبا ۶)

(اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو (قرآن) تمھارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے اور (اللہ) غالب سزاوار حمد کی طرف رہنمائی کرتا ہے)۔

قرآن کی مذکورہ دونوں سطحیں اپنے اندر وسیع حکمت اور موعظت رکھتی ہیں، عمومی سطح اس لیے آسان رکھی گئی ہے کہ انسان کا صراط مستقیم پر چلنا آسان ہوجائے اور خصوصی سطح اس لیے عمیق رکھی گئی کہ عقل اور ذہن کی تربیت ہو سکے۔

قرآن کریم میں محکم اور متشابہ کا مسئلہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ بعض قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن محکم ہے کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (ہود۔ ۱) یہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم ہیں اور خدائے حکیم وخبیر کی طرف سے تفصیل بیان کردی گئی ہیں

بعض دوسری آیات بتاتی ہیں کہ پورا قرآن متشابہ ہے ۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ (الزمر:۲۳)

اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء متشابہ ہیں اور جن میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں۔

جب کہ کچھ آیات ایسی بھی ہیں جو بعض حصہ کو محکم اور بعض کو متشابہ قرار دیتی ہیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (آل عمران:۷)

(وہی خدا ہے جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے اس میں کچھ آیات محکم ہیں اور وہ کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات ہیں)

محکم اور متشابہات کے معاملہ میں علماء خلف وسلف کی تشریحات و فرمودات بجا، لیکن خود قرآن میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تینوں باتیں اپنی جگہ درست ہیں۔ قرآن کی بعض آیات صریح واضح اور معانی ومفاہیم کے لحاظ سے مبین ہیں جب کہ بعض آیات محتمل المعانی ہیں جو باہم متشابہ ہیں، جو لوگ اللہ پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہیں، ان کے لیے متشابہ کا حجاب اٹھ جاتا ہے اور پورا قرآن محکم ہو جاتا ہے ۔ مگر وہ لوگ جو قرآن کو فتنہ جوئی اور شر انگیزی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کے لیے پورا قرآن متشابہ ہے یہاں تک کہ محکم آیات بھی۔

اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (آل عمران: ۷)

(جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ کی تلاش میں متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معانی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں، یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت صرف عقل مند لوگ

ہی حاصل کرتے ہیں)۔

اس آیت میں قرأت کا وہ طریقہ پسندیدہ ہے جو امام شافعیؒ سے منسوب ہے، یعنی راسخون فی العلم پر جملہ مکمل ہو جاتا ہے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ ایک آیت عام لوگوں کے نزدیک متشابہ ہو مگر راسخون فی العلم کے نزدیک وہ محکم ہو اس آیت کو سمجھنے کے لیے ایک واقعہ بیان کرنا کافی ہوگا۔ علامہ اقبال جس زمانہ میں لندن میں قیام پذیر تھے، ان کی کسی کے یہاں دعوت ہوئی اس دعوت میں ایک ایسے دانشور بھی شریک تھے جن کا تعارف ماہر حجریات کی حیثیت سے کرایا گیا۔ اقبال نے ان سے اپنے علم کے کسی پہلو پر روشنی ڈالنے کو کہا تو انھوں نے اقبال کو اپنے ساتھ ساحلِ سمندر پر چلنے کو کہا وہاں پہنچ کر اس دانشور نے ایک سنگ ریزہ اٹھایا اور اس پر گفتگو کرنا شروع کی اور نہایت قیمتی معلومات اس سنگ ریزہ کی حقیقت، ماہیت، ضرورت، افادیت اور کائنات سے اس کے تعلق پر فراہم کیں۔ اقبال دم بخود رہ گئے کہ پتھر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا جو ہماری نظر میں بظاہر کوئی چیز نہیں، بھلا اس کے اندر اتنی چیزیں جمع ہو سکتی ہیں۔ بلاشبہ خدا کا کلام اس سے حکمت و معنویت کی تہیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ مگر یہ انہی لوگوں پر واضح ہو سکتی ہیں جو قرآنی فہم و بصیرت اپنے اندر رکھتے ہوں اور قرآن جن کو راسخون فی العلم قرار دیتا ہے۔

قرآن خلاصہ کائنات :

کائنات اللہ کی تخلیق ہے اور قرآن اللہ کا کلام۔ کائنات میں جو نظام قائم ہے اس کی تفہیم و تسخیر اس کے قواعد و ضوابط، رموز و اشارات اور طریق استفادہ سے قرآن ہمیں آگاہ کرتا ہے، یعنی قرآن مطالعۂ کائنات کی بھی رہنما کتاب ہے، کائنات میں جو چیزیں ظاہر یا مخفی ہیں ان کی صحیح حیثیت قرآن متعین کرتا ہے اور انسان کا تعلق ان سے واضح کرتا ہے جس طرح ایک کمپنی کوئی مشین ایجاد کرتی ہے تو اس کے ساتھ گائڈ بک یعنی طریقۂ استعمال کی رہنما کتاب بھی دیتی ہے تاکہ مشین خریدنے والا اس سے پورا فائدہ اٹھائے اور اسے نقصان سے بچائے، اسی طرح اللہ نے یہ کائنات بنا کر اور اسے انسانوں کے حوالے کر کے ایک رہنما کتاب قرآن نازل کی تاکہ انسان کائنات کے متعلق اپنے رویہ کو متعین کرے اس سے استفادہ صحیح طریقہ سے کرے اور اس میں فساد اور بگاڑ نہ برپا کرے۔ قرآن کریم کے اخلاقی اور تعزیری

قوانین ہوں یا جنگی احکامات، بین الاقوامی تعلقات سے متعلق اشارات ہوں یا جاندار اشیاء سے متعلق ہدایات، سب کچھ اسی خدا انسان اور کائنات کے رشتہ کو واضح کرتی ہیں اور اس کی حفاظت کی دعوت دیتی ہیں، اس لیے قرآن کی ہدایات کو نظر انداز کر کے کائنات کو صحیح ڈھنگ سے نہ سمجھا جا سکتا ہے نہ اس کے متعلق معتدل و متوازن رویہ اپنایا جا سکتا ہے۔

قرآن سب سے عظیم ہے :

کائنات سے اللہ کا کلام زیادہ عظیم الشان اور بلند ہے، دنیا کی ہر وہ چیز جسے دیکھ کر انسان حیرت و ہیبت اور استعجاب میں مبتلا ہو جاتا ہے، قرآن کے مقابلہ میں ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں، مثلاً یہ اونچے اونچے پہاڑ جن کے نیچے انسان اپنا وجود نقطہ سے بھی کمتر محسوس کرتا ہے اور اس کی بلندی و جسامت کی ہیبت سے خوف کھاتا ہے وہ قرآن کی عظمت و جلالت شان سے لرزہ براندام ہے قرآن کہتا ہے :

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر:۲۰)

(اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جارہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے)۔

قرآن کی عظمت کے لیے یہ نسبت ہی کافی ہے کہ وہ احکم الحاکمین کا کلام ہے۔ اگر یہ مثل اپنے اندر کوئی معنویت رکھتی کہ کلام الامام امام الکلام، تو اس کا مصداق سب سے پہلے قرآن کریم ہے۔ چنانچہ قرآن سے وابستگی رکھنے والے کے لیے یہ بشارت بھی کافی ہے کہ وہ رب العزت سے ہم کلام ہے، یہ ہم کلامی ہی دراصل مومن کی معراج ہے اور اس بات کا احساس بجائے خود انتہائی وجد انگیز اور فرحت بخش ہے۔

قرآن سب سے بڑی دولت ہے :

مال و دولت کا ہمیشہ سے ہی انسان لالچی رہا ہے، دولت انسان کو بے نیازی اور آسودگی عطا کرتی ہے مگر اس مادی دولت کے ساتھ مختلف قسم کی خامیاں لگی ہوئی ہیں، ایک تو یہ کہ یہ دولت ضروری نہیں کہ ہمیشہ انسان کے ساتھ رہے، دولت بادلوں کے سائے کی طرح کبھی آتی ہے اور کبھی چلی جاتی ہے، کبھی

انسان مالدار ہوتا ہے اور کبھی نادار بن جاتا ہے۔ دوسری کمزوری اس دولت کی یہ ہے کہ صرف اس وقت تک انسان اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جب تک وہ زندہ اور صحت مند ہے، مگر صحت کے جانے اور موت کے آنے کے بعد مال و دولت اس کے لیے بیکار چیز بن جاتی ہے۔ کبھی انسان کو ایسی بیماری لاحق ہوتی ہے کہ وہ اچھے کھانے نہیں کھا سکتا، کبھی طبیعت ایسی اچاٹ ہو جاتی ہے کہ اُسے مال و دولت کے مظاہر سے وحشت ہو جاتی ہے، اور کبھی اس کی صحت ایسی خراب ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی جمع کردہ دولت کا اپنے اوپر اثر نہیں دیکھ سکتا اور مرنے کے بعد تو اس کا دولت سے تعلق ہی ختم ہو جاتا ہے۔ تیسری کمزوری دولت کی یہ ہے کہ وہ انسان کے ایمان واخلاق اور سیرت و کردار کے لیے آزمائش بھی بن جاتی ہے اور انسان دولت کی خاطر اعلیٰ انسانی اور اخلاقی قدروں سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، دولت آجاتی ہے ایمان چلا جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن وسنت میں دولت کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر قرآن ایسی دولت ہے جو زندگی میں انسان کا ساتھ چھوڑتی ہے اور نہ مرنے کے بعد چھوڑتی ہے۔ ہمیشہ انسان کی محافظ رہتی ہے، اور اس دولت کے ساتھ سیرت و کردار ایمان واخلاق بگڑتے نہیں بلکہ سنور جاتے ہیں۔ اس دولت کے حاصل ہونے کے بعد صاحبِ قرآن کو دنیا داروں کے مال و متاع سے زیادہ اپنے کو مالدار اور مستغنی سمجھنا چاہیے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (الحجر ۸۷ - ۸۸)

(ہم نے تم کو سات بار دہرائی جانے والی آیات اور قرآنِ عظیم عطا کیا ہے، تم متاعِ دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھو جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو دے رکھی ہے)

قرآن قلبِ انسانی کا نور ہے:

قرآن قلبِ انسانی کا نور ہے، یہ دل پر طاری ہوتا ہے اور دل کی دنیا بدل دیتا ہے، پھر اس تبدیلی کا اثر انسان اپنی شکل و صورت، سیرت و کردار اور ماحول پر محسوس کرتا ہے۔ قاری قرآن کو جب اس طرح پڑھتا ہے تو گویا وہ خود قرآن بن جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے اسے شعری پیکر میں یوں ڈھالا ہے:

یہ بات کسی کو نہیں معلوم کہ مومن قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

قرآن کہتا ہے:

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِہًا مَّثَانِیَ تَقۡشَعِرُّ مِنۡہُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُہُمۡ وَقُلُوۡبُہُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ (الزمر:۲۳)

(اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے ایک ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے جس کے مضامین بار بار دہرائے گئے ہیں اسے سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں)۔

اسی لیے مطلوب یہ ہے کہ قرآن کو دل سے پڑھا جائے، بے دل کے ساتھ قرآن کو پڑھنا اس کی توہین ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقرءوا القرآن ما ائتلفت علیہ قلوبکم فاذا اختلفتم فقوموا عنہ[۱۳] "اس وقت تک قرآن پڑھو جب تک تمہارے دل اس میں لگے رہیں اور جب یکجمعی نہ رہے تو اٹھ جاؤ" اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اپنے دل کو قرآن سنتے وقت ٹٹولا کرو، قرآن کا طریقہ انقلاب یہی ہے کہ پہلے وہ دلوں کو بدلتا ہے، پھر ماحول اور معاشرہ میں تبدیلی لاتا ہے اور پھر نظام حیات بدل دیتا ہے۔ دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں جس نے اتنے بڑے پیمانے پر انسانی دلوں کو مسخر کیا ہو۔ انسانی سماج کو اس طرح متاثر کیا ہو اور نظام انسانی کو اس طرح تبدیل کیا ہو۔ قرآن کی یہ طاقت آج بھی جوں کی توں ہے۔ قرآن میں اثر انگیزی کی صلاحیت اتنی حیرت انگیز ہے کہ کفار قریش قرآن کی بے پناہ مخالفت کے باوجود چھپ چھپ کر قرآن سنا کرتے اور قرآن نے ان کی جمعیت کو برف کی طرح پگھلا کر رکھ دیا اور آج بھی قرآن کا صوتی اعجاز اپنی جگہ ایک چیلنج ہے۔ اس کے دوسرے پہلو تو الگ رہے۔ کفار کی اسلام، مسلمانوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کا اصلی سبب قرآن ہی تھا۔

وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَیۡرِ ہٰذَآ اَوۡ بَدِّلۡہُ (یونس:۱۵)

(جب ان کو ہماری آیات بینات سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع

نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں تبدیلی کرو)

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمُنْکَرَ یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْہِمْ اٰیٰتِنَا (الحج ۷۲)

(اور جب ان کو ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ منکرین حق کے چہرے بگڑنے لگتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ابھی ان لوگوں پر ٹوٹ پڑیں گے جو انھیں ہماری آیات سناتے ہیں)

کفار اس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کو قرآن سے روکنے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کرتے تھے، شور و غل، ہنگامہ آرائی، رقص و سرود، گانے بجانے اور دیگر لہو و لعب سے قرآن کا مقابلہ کرتے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ (حٰم سجدہ ۲۶)

(جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ (ایک دوسرے سے) کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور اس میں خلل ڈالو شاید کہ اس طرح تم غالب آجاؤ)

قرآن راہ عزیمت ہے :

قرآن اپنے مخالفین اور معاندین کے طوفان بدتمیزی کے بدلہ میں مسلمانوں کو جوابی کارروائی کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ مثبت اور تعمیری رویہ اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔ قرآن اپنے حاملین اور مخالفین کے رویہ پر رجحان برتاؤ اور سلوک میں امتیازی فرق دیکھنا چاہتا ہے کیونکہ قرآن کا بنیادی مقصد انسانی قلوب کی تطہیر اور اس کی سیرت و کردار کی تعمیر ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قرا القرآن فقد استدرج النبوۃ بین جنبیہ غیر انہ لا یوحی الیہ لا ینبغی لصاحب القرآن ان یجد مع من وجد ولا یجہل مع من جہل وفی جوفہ کلام اللہ۔

(جس نے قرآن شریف کو پڑھا اس نے نبوت کو پسلیوں کے درمیان لے لیا بجز یہ کہ اس کی طرف وحی نہیں بھیجی جاتی۔ کسی صاحب قرآن کے لیے مناسب نہیں کہ غصہ کرنے والوں پر وہ بھی غصہ کرے اور جاہلوں کے ساتھ جہالت کا برتاؤ کرے جب کہ اس کے پیٹ میں اللہ کا کلام موجود ہے)

قرآن کے مطالبات :

بنی نوع انسان سے قرآن کا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ اس کتاب پر ایمان لائے، اس کی دلی تصدیق، زبانی اقرار اور عزت و احترام کرے۔ ارشاد ہے۔

یا ایّھا الّذین اٰمنوا اٰمنوا باللہ و رسولہ والکتٰب الّذی نزّل علی رسولہ (النساء ۱۳۵)

(اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسولؐ پر نازل کی ہے)

والّذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت واٰمنوا بما نزّل علیٰ محمّدٍ وھو الحقّ من ربّھم کفّر عنھم سیّاٰتھم واصلح بالھم (محمد: ۲)

(اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور جو کتاب محمدؐ پر نازل ہوئی ہے اس پر ایمان لائے اور وہ ان کے پروردگار کی طرف سے برحق ہے ان سے ان کے گناہ اللہ نے دور کر دیے اور ان کی حالت سدھار دی)۔

قرآن پر ایمان لانے کا مطلب یہ بھی ہے کہ اس کے کلامِ الٰہی ہونے کو تسلیم کیا جائے اور یہ بھی ہے کہ قرآن ہی کو ذریعہ ہدایت اور سعادت مانا جائے اور اس کے احکام و نواہی انذار و تبشیر موعظت و حکمت کو انسانی زندگی کا نسخہ کیمیا تصور کیا جائے، قرآن کے معاملہ میں کسی قسم کے شکوک و شبہات میں مبتلا ہونا اس پر ایمان لانے کو بے معنی بنا سکتا ہے جیسا کہ اہلِ کتاب کے سلسلہ میں ہوا۔

وانّ الّذین اُورثوا الکتٰب من بعدھم لفی شکٍّ منہ مریبٍ (شوریٰ ۱۴)

(اور جو لوگ اگلوں کے بعد کتاب کے وارث بنائے گئے وہ اس کے بارے میں اضطراب انگیز شک میں مبتلا ہیں)۔

دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے اور اسے یاد کیا جائے، ناظرہ تلاوت اور حفظ دونوں مطلوب ہیں اور دونوں کا اجر بھی عنداللہ مقرر ہے، قرآن کی کثرت تلاوت اللہ کی رضا کے حصول کا ذریعہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ:

اُمرت ان اکون من المسلمین وان اتلوا القراٰن (النمل: ۹۰)

(مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمان بن کر رہوں اور قرآن کی تلاوت کروں)

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا (کہف:۲۷)

(اے نبیؐ کتاب میں سے جو کچھ تم پر وحی کیا گیا ہے اس کی تلاوت کرو، اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور اس کے سوا تم کوئی جائے پناہ کبھی نہ پاؤ گے)

چنانچہ قرآن کی تلاوت کرنے والے ہی اللہ کے نزدیک اس پر صحیح ڈھنگ سے ایمان لانے والے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ (البقرہ:۱۲۱)

(جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے اور وہ اس قرآن پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں)

قرآن کی تلاوت بھی تجوید، ترتیل اور ترجیع کے ساتھ مطلوب ہے اس لیے تلاوت کے ساتھ تجوید و قرات کی ضروری واقفیت بھی لازمی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے زینوا القرآن باصواتکم (۱۴)، قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو، اور اللہ کا حکم ہے وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا (المزمل:۴) اور قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھو، اسی طرح حفظ قرآن بھی مطلوب ہے۔ بقدر ادائیگی نماز قرآن کا یاد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے جب کہ پورے قرآن کا یاد کرنا ہر مسلمان سے مطلوب ہے۔ تلاوت قرآن کا تقاضا یہ بھی ہے کہ جب تلاوت ہو رہی ہو تو دوسرے لوگ خاموشی سے سنیں۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (الاعراف:۲۰۴)

(جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو شاید کہ تم پر بھی رحمت ہو جائے)

قرآن کا تیسرا مطالبہ فکر و تدبر اور تذکیر و موعظت ہے۔ قرآن کا صرف زبانی پڑھنا اور یاد کرنا کافی نہیں ہے، قرآن کا اصل مقصود اس کو سمجھنا اور اس کی آیات میں تفکر و تدبر ہے۔ جب تک انسان قرآن کو سمجھے گا نہیں اس وقت تک اسے قرآن کی حلاوت نصیب نہیں ہو سکتی۔ قرآن اپنا مقصد

اس طرح بیان کرتا ہے:

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ (ص: ۲۹)

(یہ ایک برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمھاری طرف (اے محمدؐ) نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں)۔

ہمارے عہد میں مسلمانوں کی اکثریت قرآن فہمی کے تقاضے سے غافل ہے وہ سمجھتی ہے کہ اس کے لیے تلاوت کافی ہے اور قرآن کا سمجھنا علماء کا کام ہے۔ وہ اپنے آباؤ اجداد، شیوخ و اساتذہ کی کتابیں پڑھتی اور سمجھتی ہے مگر اللہ کی کتاب کو سمجھنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتی، حالانکہ صحابہ کرامؓ قرآن کو صرف پڑھتے ہی نہیں تھے بلکہ اس کو اچھی طرح سمجھتے بھی تھے۔ حضرت ابوعبدالرحمٰن اسلمیؓ روایت کرتے ہیں:

حدثنا الذين كانوا يقرؤن القرآن كعثمان بن عفان وعبد الله بن مسعود وغيرهما انهم اذا كانوا تعلموا من النبي صلى الله عليه وسلم عشر آيات لم يتجاوزوها حتى يعلموا ما فيها من العلم والعمل قالوا تعلمنا القرآن والعمل جميعا ولهذا كانوا يبقون مدة في حفظ السورة[۵]

"ہم سے ان لوگوں نے بیان کیا جو قرآن اہتمام سے پڑھا کرتے تھے مثلاً حضرت عثمان بن عفانؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہما حضرات صحابہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیات پڑھ لیتے تو ان سے آگے نہ بڑھتے یہاں تک کہ وہ ان آیات میں علم و عمل کی تمام باتیں جان لیتے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم نے قرآن اور عمل دونوں کو ایک ساتھ سیکھا ہے اور اسی لیے وہ ایک سورہ کو یاد کرنے میں مدت صرف کرتے۔"

علامہ سیوطیؒ رقم طراز ہیں:

وتسن القراءة بالتدبر والتفهم فهو المقصود الأعظم والمطلوب الاهم وبه تنشرح الصدور وتستنير القلوب قال تعالى كتاب انزلنه اليك مبارك ليدبروا آياته وقال افلا يتدبرون القرآن وصفة ذالك ان يشغل قلبه بالتفكر في معنى ما يلفظ به فيعرف معنى كل آية

ویتامل الاوامر والنواھی ویعتقد قبول ذالک[16]

"مسنون طریقہ یہ ہے کہ قرآن کو سمجھ بوجھ اور غور و فکر کے ساتھ پڑھا جائے، یہی مقصد اعظم اور مطلوب اہم ہے، اسی سے شرح صدر ہوتا ہے اور دل روشن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے یہ بابرکت کتاب ہے جو ہم نے تمھاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات میں غور کریں اور ارشاد ہے کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے۔ اس مسنون قرارت کا طریقہ یہ ہے کہ تلاوت کرنے والے کا دل الفاظ قرآن کے معانی میں مشغول ہو چنانچہ وہ ہر آیت کے معنیٰ کو سمجھے اور امر و نواہی میں غور کرے اور اسے اختیار کرنے کا ارادہ کرے۔"

قرآن کا چوتھا مطالبہ یہ ہے کہ قرآنی تعلیمات پر عمل کیا جائے، قرآن کے مطابق زندگی گذاری اور سنواری جائے۔ انفرادی اور اجتماعی، اخلاقی اور روحانی، معاشرتی اور اقتصادی و سیاسی زندگی کا لائحہ عمل اور دستور بنایا جائے، یعنی قرآنی احکام کو اپنے وجود اور سماج پر لاگو اور نافذ کیا جائے۔

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ (الزمر ۱۷)

(جن لوگوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان کے لیے خوش خبری ہے (اے نبیؐ) بشارت دے دو میرے ان بندوں کو جو بات کو غور سے سنتے ہیں اور اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں)۔

چنانچہ قرآنی احکام کا جو پابند نہیں قرآن پر اس کا ایمان معتبر نہیں (ما امن بالقران من استحل محارمہ[17]) (وہ قرآن پر ایمان نہیں لایا جس نے اس کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر لیا) قرآن کے مطابق فیصلے کیے جائیں، قرآن کے مطابق حکومت کی جائے، قرآن کے مطابق اقتدا اور اطاعت کی جائے یعنی قرآن کو اپنی زندگی کا رہنما اصول بنا لیا جائے۔

قرآن کا پانچواں مطالبہ یہ ہے کہ لوگوں کو قرآن کی دعوت دی جائے اور اس کی تعلیم عام کی جائے قرآن اللہ کے بندوں کی ہدایت کے لیے ہے۔ اس لیے بندوں تک پہنچانا اس کا ضروری ہے۔ قرآن

کی تبلیغ و اشاعت اسلام کا اہم ترین و عظیم الشان فریضہ ہے۔

أُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ (انعام ۱۹)

(یہ قرآن میرے پاس بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعے تم کو اور جن جس کو یہ پہنچے تنبیہ کروں)

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ (المائدہ ۶۷)

(اے رسولؐ جو کچھ تمھارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی رسالت کا حق ادا نہ کیا)

اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیرکم من تعلم القرآن و علمہ

"تم میں بہترین انسان وہ ہے جو قرآن کا علم حاصل کرتا ہے اور اسے لوگوں کو سکھاتا ہے"

قرآن صرف مسلمانوں کی ہدایت کا ذریعہ نہیں بلکہ انسانوں کی ہدایت کا صحیفہ ہے، اس لیے انسانوں کے بڑے طبقہ کا قرآن کے الفاظ و معانی اور مطالب و مفاہیم سے بے خبر رہنا حاملین قرآن کی کوتاہیوں کا واضح ثبوت ہے۔ خدا نہ کرے کہ دعوتِ حق میں کوتاہی کتمانِ حق کے حدود میں داخل ہو جائے اور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہمارا بھی مواخذہ کرے جن کے متعلق کہتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ (البقرہ ۱۵۹)

(جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایت کو چھپاتے ہیں حالانکہ ہم انھیں انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں)۔

قرآن سے استفادہ کا صحیح طریقہ :

قرآن سے استفادہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرآن ہاتھ میں لیتے ہوئے انسان ظاہری و معنوی ہر لحاظ سے پاک ہو، یعنی وہ جسمانی طور پر بھی پاک ہو (لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ، اسے صرف پاک و صاف لوگ ہی چھو سکتے ہیں) اور اس کی نیت بھی پاکیزہ ہو۔ قرآن اپنے سلسلہ میں وضاحت کرتا ہے یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا (البقرہ ۲۵) (بہت سے لوگ اس سے ہدایت پاتے اور بہت سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی نیت میں کھوٹ اور فساد ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ کوئی غیر مسلم قرآن اس وقت تک نہ پڑھے جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے۔ ایسے غیر مسلم جن کے دل میں تلاش حق کا جذبہ ہے وہ قرآن سے ضرور استفادہ کر سکتے ہیں اور انشاء اللہ قرآن ان کے ظرف کے مطابق رہنمائی کرے گا۔

پھر تلاوت کے آداب وضوابط کا خیال رکھا جائے۔ مطلوب تو یہ ہے کہ عربی زبان اتنی سیکھ لی جائے جس سے قرآن کے سمجھنے میں سہولت ہو، لیکن اگر یہ سعادت میسر نہ ہو تو قرآن کی تلاوت کے ساتھ ترجمہ اور تفسیر کا بھی اہتمام کیا جائے۔

قرآن کریم کی کثرت تلاوت اور اس کے معانی سے مسلسل ربط کی وجہ سے قرآن الفاظ و آیات کا فہم قاری پر آسان ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص کے لیے یہ بھی ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ کثرت مطالعہ کی وجہ سے قرآن فہمی میں مجرد عربی داں سے زیادہ معتبر ہو جاتا ہے جب کہ واقعہ یہ ہے کہ دین کا فہم وہی معتبر ہے جس کی اساس قرآن ہو اور سنت رسولؐ اس کی موید ہو۔

قرآن کریم سے استفادہ اور مطالعہ کی راہ میں دو راہبر موجود ہیں، ایک استاد دوسرے تفسیر، ان دونوں کی حقیقت یکساں طور پر صرف گائڈ کی ہے اور دونوں ہی کی ضرورت ہے۔ جن لوگوں کو اساتذہ سے قرآن کی تفسیر پڑھنے کا موقع ملا ہے ان کو تفسیر کی کتابوں سے غافل نہیں رہنا چاہیے کیونکہ بہت سے پہلو اس وقت تک واضح نہیں ہوں گے جب تک تفسیروں سے تعلق نہ رکھا جائے۔ اسی طرح جن لوگوں نے تفسیروں کی مدد سے قرآن کو پڑھا اور سمجھا ہے ان کے لیے بھی ناگزیر ہے کہ وہ معتبر علمائے تفسیر سے استفادہ کریں کیونکہ بہت سے مسائل اور نکات آدمی صرف کتاب پڑھ کر نہیں سمجھ سکتا جب تک وہ کسی استاد سے

رجوع نہ کرے مگر علماء اور تفسیر دونوں کی حیثیت صرف رہبر کی ہے۔ قرآن فہمی کی راہ میں دونوں کے بعد ایک تیسرے رہنما کی ضرورت پیش آتی ہے، وہ ہے قرآن میں از خود غور و تدبر۔ یہ تیسرا رہنما ہے۔ اس سے مدد مذکورہ دونوں رہنماؤں کے بعد ہی لی جانی چاہیے ورنہ انسان کے اٹکنے اور بھٹکنے کا قوی امکان رہتا ہے۔ قرآن فہمی کی راہ میں یہ بڑا موثر اور معتبر رہنما ہے۔ جب تک غور و تدبر اور تفکر سے کام نہ لیا جائے، قرآن کی حلاوت، برکت اور لذت حاصل نہیں ہو سکتی اور قرآن کے معارف منکشف نہیں ہو سکتے۔ ڈاکٹر اقبال نے اپنے ایک شعر میں اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے ؎

چوں سرمہ رازی را از دیدہ فرو شستم
اسرارِ جہاں دیدم پنہاں بکتاب اندر

اسلامی معاشرہ کی ضرورت:

ہم عصر مسلم معاشرہ میں جس چیز کا فقدان ہے وہ قرآن اور تلوار کا توازن ہے۔ کہیں تلوار ہے قرآن نہیں، اور کہیں قرآن ہے تلوار نہیں۔ تلوار کا مطلب لوہے کا ایک ٹکڑا نہیں بلکہ قوت نافذہ یا اجراء احکام کی طاقت ہے، حالانکہ اسلامی معاشرہ میں ان دونوں قوتوں کی یکساں ضرورت ہے۔ بغیر تلوار کے قرآن کے احکام کاغذ کے مقدس نقوش رہ جاتے ہیں اور بغیر قرآن کے تلوار شر اور فساد کا ذریعہ بن جاتی ہے اس لیے مسلمانوں کو ان دونوں طاقتوں کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔

گفت اگر از راز من داری خبر سوی این شمشیر و این قرآں نگر
این دو قوت حافظ یک دگر اند کائنات زندگی را محور اند

حواشی

۱؎ بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحی

۲؎ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، بیروت ۱۲/۳۱۳

۳؎ احمد بن حنبل، المسند ۴/۱۰۷ (مطبع درج نہیں)

۴؎ ابن تیمیہ، مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ، دار العروبۃ، بیروت، ۱۳۹۸ھ، ۱۱/۸۳-۱۱۲